

جناب احمد سعید صاحب ایم سنیہ تدریجی پولیٹیکل سائنس
لیکچرار ایم اسنہ او کالج لاہور



مولانا محمود حسن یونیدی

اور

مولانا اشرف علی تھانوی

ہمارے اکابر کو طریق کار اور سیاسی دیدات میں اختلافات مسلک کے باوجود ایک
دوسرے کے حقوق اور مراعات کا کتنا پاس تھا اور ایک دوسرے کی عظمت و تربیت
کتنی ملحوظ رکھتی اس کے ایک جہلک اس معنوں میں دکھائی دیں۔ واقعی
یہ لوگ استاذ اعلى الکفاہ رحمہ اللہ بنیہم کا مصداق تھے۔ اخلاص اور خیر خواہی
پر مبنی یہ اختلافات ہرگز ایسا نہیں جیسے افسانہ بنایا گیا، اور نہ یہ اسے قابل
ھے کہ اس پر کسی تحزیب اور گروہ سازی کی غماز سے کھڑی کر دی جائے۔

(ادارہ)

مولانا اشرف علی تھانوی اور مولانا محمود حسن کا رشتہ آپس میں استاد و شاگرد کا تھا مولانا تھانوی
سنہ اسپنے استاد کی سوانح ذکر نمود کے نام سے تحریر کی جس سے دونوں کے تعلقات کا اندازہ لگایا
جاسکتا ہے، اگرچہ دونوں رہنما ایک ہی مکتب فکر سے تعلق رکھتے تھے لیکن دونوں حضرات کا مسلک
تحریک خلافت کے متعلق مختلف تھا۔ جیسا کہ خود مولانا تھانوی نے فرمایا: "سبحان اللہ حضرت
ریہ بندی کی عالمی نوعیت قابل دید ہے کہ میرا مسلک تو حضرت کے مسلک سے ظاہر مختلف تھا، دھکا
چھپانہ تھا مگر حضرت ذرا بھی دل گیر نہ ہوئے۔"

ایں اختلافات کے باوجود دونوں کے ذاتی تعلقات کا اندازہ مولانا تھانوی کے ملفوظات
پر مشتمل ہے جو اس سے کہ دونوں حضرات ایک دوسرے کا کس قدر احترام کرتے تھے۔

تحریک خلافت کے دوران بعض لوگوں نے یہ مشہور کیا کہ مولانا خٹاوی مولانا محمود حسن کے مخالف ہیں، جب اسکی اطلاع آپنا کو ملی تو آپ نے اپنے رسالہ النور میں لکھا: "اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ یہ تمام باتیں غلط ہیں۔ نہ حضرت قدس سرہ سے مجھے یا میرے کسی متعلق کو مخالفت ہے، نہ میں حضرت مولانا کا نعوذ باللہ مخالفت ہوں، بلکہ جس قدر محبت عظمت حضرت قدس سرہ کی میرے دل میں ہے، خدا اسکو بہتر جانتا ہے۔ مجھ پر حضرت کی مخالفت کا الزام سراسر بہتان ہے۔" مولانا خٹاوی اپنے احباب سے اپنی مجالس میں مولانا محمود حسن کو جو کہ شیخ الہند کے نام سے مشہور تھے، شیخ الاسلام اور شیخ العالم کے القاب سے یاد کرتے ہیں۔ فرمایا: تم بڑے فخر سے کہتے ہو کہ امیر الملتا تھے۔ ہم تو کہتے ہیں کہ امیر الملتا تھے۔ تم کہتے ہو شیخ الہند تھے، ہم کہتے ہیں شیخ العالم تھے۔ اب بتلاؤ مولانا کا زیادہ معتقد کون ہے۔ جس پیر کو ہم ذریعہ نجات سمجھتے ہیں، یعنی بزرگوں سے نطق، بھلا اللہ وہ حقیقت میں ہم کو حاصل ہے، تمہارے زبانی دعویٰ سے کیا ہوتا ہے۔

فرمایا: "حضرت محمود حسن کو جب کوئی شیخ الہند کہتا ہے تو میرے دل پر ایک تیر سا لگتا ہے۔ اس لئے کہ شیخ الاسلام اور شیخ العالم کو شیخ الہند کہتے ہیں۔ بہت برا معلوم ہوتا ہے۔ اس میں حضرت کی تفتیش معلوم ہوتی ہے۔ ان دعیان محبت نے حضرت کی شان کو پہچانا ہی نہیں۔ ہند کوئی اسلامی سلطنت ہے کہ جسکی وجہ سے شیخ الہند کہنے پر فخر ہے۔"

فرمایا: "حضرت استاذی مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ دیوبندی محکم اخلاق تھے۔ فرمایا: اکثر لوگ حضرت دیوبندی کو شیخ الہند فخراً لکھتے ہیں، مجھ کو اس قدر ناگوار ہوتا ہے کہ شیخ العالم کو شیخ الہند کہتے ہیں۔ بس افسوس ہے انکی سمجھ پر اسکی مثال بالکل ایسی ہے کہ دائرہ رائے کو کوئی کانسٹیبل کہے۔ یہ امانت نہیں ہے۔ یہ تعریف ایسی ہے جسکو مولانا رومی کہتے ہیں۔"

شاہ راگید کہے جیالہ نیست
این نہ روح است او مگر آگاہ نیست
اگر ایسا ہی تھا تو شیخ العرب کہنا چاہئے تھا۔ نسبت بھی کی تو کفر کے ملک سے، یہ کون سے فخر کی بات ہے۔

حضرت مولانا محمود حسن کی تواضع کا ذکر فرماتے ہوئے فرمایا: "میں جب کبھی دیوبند گیا تو بہت کم اتفاق ایسا ہوا کہ میں حاضری میں سبقت کر سکا ہوں، ورنہ خیر و تشریف لاتے تھے۔"

فرمایا: "حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی میرے استاد ہیں، قبلہ ہیں، کعبہ ہیں، مگر مجھے آج تک یہ معلوم نہیں کہ حضرت مولانا کے کس قدر اولاد ہے، نہ یہ ہمارے بزرگوں کا طریق ہے۔"

جب مولانا محمود حسن صاحب حج کیلئے تشریف لے گئے تو مولانا تھانوی کے متعلق یہ مشہور کیا گیا کہ مولانا نے حدیث شریف کا دورہ شروع کر دیا ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ ان کو اس بات کا انتظار تھا کہ مولانا ہندوستان سے جائیں اور ہماری دوکان چکے۔ فرمایا: ”اگر میں مولانا کے سامنے ہی شروع کر دیتا تو کہہ لیا کہ ہاں، بلکہ حضرت مولانا ہی سب سے زیادہ خوش ہوتے۔“

فرمایا: ”حضرت مولانا کی ذات بڑی ہی عجیب ہے۔ مدعیانِ عبیت نے تو انکو پہچانا ہی نہیں ہمارے اعتقاد میں تو وہ شیخ الہند و السند و العرب و العجم ہیں۔“

تحریکِ خلافت کے دوران مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی نے مولانا تھانوی کو خط لکھا اور کہا ”میں بڑی مشکل میں ہوں۔ میں کیا کروں کہ میں دو بڑوں (مولانا محمود حسن اور مولانا تھانوی) کے درمیان ہوں۔ مولانا تھانوی نے جواب میں فرمایا: ”مولانا ہمارے سب سے بڑے ہیں۔ مولانا ہی کے فرمانے پر عمل کرنا چاہئے، اگر میں تنہا ہوتا تو میں خود بھی حضرت کے ساتھ ہوتا۔“

فرمایا: ”اگر مولانا مجھ کو تحریک میں شامل ہونے کے لئے حکم فرماتے تو چونکہ میں چھوٹا تھا، اس لئے مجبور ہو جاتا، مگر حضرت کو کبھی اس کا خطرہ بھی نہ ہوا بلکہ خیال آیا تو یہ کہ اپنے ایک خاص خادم پانی پتی سے یہ فرمایا کہ ”بھائی اختلاف تو اچھا معلوم نہیں ہوتا۔ لاڈ پھر میں ہی کچھ اپنی رائے سے رجوع کروں۔“

فرمایا: ”مولانا ہمارے مدرسۃ العلوم کا پورے جلسہ دستار بندی کیلئے تشریف لائے، میں نے وعظ کے لئے عرض کیا۔ فرمایا مجھے وعظ کہنا نہیں آتا۔ میں نے کہا حضرت وعظ تو کہنا ہی پیشے کا، فرمایا تمہارے وعظ سے لوگ بالوس ہیں، ادب پسند کرتے ہیں، تمہارا وعظ ہی مناسب ہوگا۔ اور میرے بیان سے لوگ خوش نہ ہوں گے۔ اس سے میرا تو کچھ نہ جائے گا، تمہاری ہی امانت ہوگی کہ انکے استاد

ایسے بے علم ہیں۔ میں نے عرض کی حضرت اس سے تو ہمارا نعر ہوگا کہ ان کے استاد ایسے ہیں۔“

مولانا محمود حسن کے بارہ میں ایک اور واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ”حضرت مولانا محمود حسن کے متعلق فلاں مولوی صاحب راوی ہیں، انہوں نے اپنے کانوں سے سنی اور اپنے کانوں سے دیکھی ہے کہ جس وقت حضرت مائتہ سے تشریف لائے تو بمبئی کی بندرگاہ پر استقبال کی گئی۔ بہت زیادہ نذرانے موجود تھے۔ حضرت مولانا اور وہ مولوی صاحب ایک موٹر میں تھے اور بعض لیڈر بھی موجود تھے۔ جس وقت موٹر چلا تو ایک دم اشد کبر کا نعرہ بلند ہوا اور اس کے بعد گاندھی کی بے اور محمد علی شریعت کی بیعت اور مولوی محمود حسن کی جے کے نعرے بلند ہوئے۔ حضرت نے شریعت علی کا یا من پکڑ کر کہا کہ یہ کیا؟ اس پر شریعت علی نے کچھ خیال نہ کیا تو حضرت نے دوبارہ سختی سے فرمایا کہ اسکو بند کرو۔ اس پر

شرکت علی نے کہا کہ حضرت جے کے معنی فتح ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ اگر یہ بات سب سے تو رام رام کہا کرے۔ اور جو کچھ بھی ہو یہ کفر شعار ہے۔ اسی طرح حضرت نے دیوبند اور اس کے قریب و جوار میں اپنے اہتمام سے گائے کی قربانیاں کروائیں۔

فرمایا: ”جہاں اپنے حضرات کی شان اور انکی حق پرستی اور بے نفسی دیکھی، ایسا کسی کو بھی نہ دیکھا۔ حضرت مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ جب مالٹا سے تشریف لائے تو میں بھی بغرض زیارت دیوبند حاضر ہوا تھا۔ حضرت نے بڑی ہی شفقت فرمائی، وہ باتیں اس وقت یاد آتی ہیں تو ان حضرات کو آنکھیں ڈھونڈتی ہیں۔“

یہ تو حضرت مخدومی کے جذبات حضرت محمود حسن کے متعلق اس استاد کی رائے شاگرد کے متعلق ملاحظہ ہو کہ حضرت محمود حسن مولانا مخدومی کا کس قدر احترام کرتے تھے۔ بعض لوگوں نے حضرت دیوبندی سے شکایت کی کہ مولانا مخدومی اس تحریک خلافت میں شریک نہیں تو اس پر مولانا محمود حسن نے فرمایا ”ہم کو اس پر بھی غرہ ہے کہ ایسی حمت کا آدمی بھی ہم میں سے ہے کہ جس نے تمام دنیا کی پرداہ نہ کی، جو اسکی رائے میں حق ہے اس پر استقلال سے قائم ہے، کسی کے بواڈیا اثر کو ذرا برابر حق کے مقابلہ میں قبول نہ کیا۔“

فرمایا: ”کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ محمد کو وحی ہوئی ہے کہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں، میری بھی ایک رائے ہے۔“ ایک اور شخص کے جواب میں فرمایا: ”ہمیں اس پر بھی غرہ ہے کہ ایسا شخص جو ہندوستان بھر سے متاثر نہ ہوا وہ بھی ہماری جماعت میں سے ہے۔“

ایک صاحب نے جبکہ مولانا محمود حسن مالٹا سے دیوبند تشریف لائے تھے تو اس زمانہ میں بھی مولانا مخدومی بھی زیارت کے لئے دیوبند حاضر ہوئے تو حضرت سے فرمایا: کہ حضرت وہ (مولانا مخدومی) آیا ہوا ہے، اس وقت حضرت اس مسئلہ کے متعلق کچھ عرض کر دیں۔ حضرت مخدومی نے فرمایا: ”یہ حضرات کیسے عادل ہوتے ہیں، فرمایا کہ وہ میرا لحاظ کرتا ہے اس لئے میری گفتگو کرنے سے بڑے گا نہیں، تنگی ہوگی سو میں تنگ نہیں کرنا چاہتا۔ نیز گفتگو کرنے سے رائے نہیں بدلتی، واقعات سے بدلا کرتی ہے۔“

باقی اس پر یقین ہے کہ جب رائے بدلے گی اسکا اعلان کر دے گا۔

ایک مرتبہ کچھ لوگ حضرت مولانا محمود حسن کی بیٹھک میں مولانا مخدومی کو برا بھلا کہہ رہے تھے۔ حضرت کے کانوں میں وہ الفاظ پہنچ گئے، حضرت نے سب کو ڈانٹا اور فرمایا: ”تم ایسے شخص کی شان میں گستاخی کر رہے ہو جسکو میں اپنا بڑا سمجھتا ہوں۔“

مولانا تھانویؒ ان الفاظ کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: ”یہ الفاظ میری ذات سے ارفع و اعلیٰ ہیں محض حضرت کی شفقت پر محمول کیا جاسکتا ہے۔ یہ حضرت کا اپنے پھوٹوں سے برتاؤ تھا۔“

حضرت تھانویؒ نے فرمایا: ”حضرت دیوبندی کے ایک خاص معتقد اور معتمد مولوی صاحب مجھ سے روایت کرتے ہیں کہ مرغن المورست میں جب حضرت دہلی میں تھے اور اختلاف کی خبریں کڑن میں پڑنے لگیں تو حضرت نے فرمایا: ”لاؤ میں ہی کچھ اپنی رائے سے ہٹ جاؤں یہ اختلاف تو کچھ اچھا معلوم نہیں ہوتا۔“

راپور میں ایک صاحب نے مولانا تھانویؒ کو اپنے بچے کے عقد کی تقریب میں بلایا وہاں پر مولانا غلیل احمد صاحب اور مولانا محمود حسن صاحب بھی موجود تھے۔ جب مولانا تھانویؒ، وہاں پہنچے تو دعوت کا بہت بڑا کچھڑا کیا ہوا تھا۔ مولانا تھانویؒ کو یہ بات ناپسند گزری اور آپ وہاں سے واپس رٹ آئے۔ اس واقعہ کے متعلق بعض لوگوں نے مولانا غلیل احمد سے سوال کیا کہ یہ کیا بات ہے کہ آپ تو اس میں شریک رہے اور مولانا تھانویؒ چلے گئے تو انہوں نے فرمایا: ”بھائی انہوں نے تو تقویٰ پر عمل کیا اور ہم نے فتویٰ پر عمل کیا۔ اور جہاں ان کا اور ہمارا اختلاف ہوتا ہے۔ اسکی بنا یہی ہوتی ہے۔ بعض لوگوں نے مولانا محمود حسن سے بھی یہی سوال کیا، تو انہوں نے فرمایا: ”عوام کی حالت سے جتنا وہ واقف ہیں اتنا ہم نہیں۔“

ان الفاظ کے بعد مولانا تھانویؒ فرماتے ہیں: ”اصل جواب وہی تھا جو حضرت مولانا محمود حسن نے دیا۔ مولانا غلیل احمد کا جواب تو صانع کا جواب تھا۔“

پاکستان کا علمی و دینی ممتاز امدادیہ ناز ماہنامہ

بیت

دینی فقہوں کا نقاب اور اسلام کی تہذیبی کہ سنہ ہمیشہ پڑھیں
سالانہ چندہ آٹھ روپے

ماہنامہ بیت جامع مسجد نیو ٹاؤن کراچی